پہلی قسط

قضاء عمری کی شرعی حیثیت

مولانا خلیل احمد اعظمی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

نمبر شمار: ذیلی عنوانات

۱ فوت شدہ نمازوں کے بارے میں تفصیلی مضمون

۲ جمہور علمائے امت کا مجمع علیہ مسلک

۳ ابن حزمؒ اور داؤد ظاہریؒ کے قول

۴ ابن حزمؒ کے اقوال شاذہ

۵ جمہور کے مؤقف کے دلائل

فوت شدہ نمازوں کے بارے میں تفصیلی مضمون:

ماہنامہ البلاغ شمارہ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ میں قضاء عمری سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کا تحریر کردہ فتوی شائع ہوا تھا۔ جس میں حضرت مدظلہم نے فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے ضروری ہونے پر سیر حاصل بحث فرمائی تھی۔ اور دلائل و براہین سے یہ ثابت فرمایا تھا۔ کہ فوت شدہ نمازیں کم ہوں یا زیادہ ان کی قضاء بہر حال لازم ہے۔ صرف توبہ کر لینے سے وہ معاف نہیں ہوتیں۔

اس فتویٰ کی تردید میں جامعۃ الاحسان الاسلامیہ کے مدیر جناب قاری خلیل الرحمٰن جاوید صاحب نے ایک رسالہ ''قضاء عمری'' کے نام سے تالیف فرمایا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ فوت شدہ نمازوں میں صرف ان نمازوں کی قضاء واجب ہے۔ جو بھول، نیند اور غفلت کی وجہ سے چھوٹ گئی ہوں۔ اور جو نمازیں عمداً (جان بوجھ کر) چھوٹی ہوں ان کی قضاء واجب نہیں، ان کے لئے صرف توبہ کافی ہے، جناب قاری صاحب نے اس رسالہ میں حضرت استاذ محترم زید مجدہم کے تحریر کردہ فتوی پر متعدد وجوہ سے اعتراضات بھی کئے ہیں۔ اور یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں حضرت مدظلہم کو متعدد غلط فہمیاں لگی ہیں! جن کے ازالہ کی اپنے طور پر قاری صاحب نے کوشش فرمائی ہے۔

زیر نظر تحریر میں ہم قاری صاحب کے تالیف کردہ رسالہ کا اجمالی جائزہ لے کر ان نکات پر غور کریں گے۔ جو قاری صاحب نے اپنے رسالہ میں پیش فرمائے ہیں، لیکن اس سے پہلے اس مسئلہ کا اجمالی خلاصہ اور جمہور فقہائے کرام کے ذکر کردہ دلائل کا اجمالی ذکر مناسب ہوگا۔

جمہور علمائے اُمت کا مجمع علیہ مسلک:

جمہور علمائے امت کا مسلک یہ ہے۔ کہ فوت شدہ نمازوں کا قضاء واجب ہے۔ چاہے وہ نمازیں کم ہوں یا زیادہ، عمداً (جان بوجھ کر) چھوڑی ہوں یا بھول کر، نیند اور غفلت کی وجہ سے چھوٹ گئی ہوں، صرف توبہ کافی نہیں، اس مؤقف پر چاروں مکاتب فکر یعنی حنفی

،شافعی، ملکی اور حنبلی متفق ہیں، (ان کی عبارات حضرت مدظلہم کے تحریر کردہ فتویٰ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔)

علامہ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری میں یہ مسلک ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ھذا مذھب العلماء کافۃ (عمدۃ ج ۵،ص ۹۳)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں اسے جمہور علماء کا مسلک قرار دیتے ہیں: ومن علیه فائتة فعلیه ان یبادر الی قضاءها علی الفور سواء فاتة عمدا أو سهو عند جمهور العلماء کما لک و أحمد وأبی حنیفة وغیرهم. (فتاوی ابن تیمیه ج ۲۳ ص ۲۰۹)

جس پر فوت شدہ نمازیں ہوں اس پر لازم ہے۔کہ وہ فوراً اس کی قضاء کی کوشش کرے چاہے وہ نمازیں جان بوجھ کر چھوڑی ہوں یا بھول کر چھوٹی ہوں، یہ جمہور علماء جیسے امام مالک امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک ہے۔

مشہور محدث ابوعبداللہ محمد نصر المروزیؒ جن کے بارے میں ابن حزمؒ کی رائے یہ ہے۔کہ وہ صحابہ کرامؓ کے بعد احادیث کے متون، ان کے معانی، ان کی صحت اور مجمع علیہ مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔(مقدمہ تعظیم قدر الصلوۃ ج ۱ص ۵۴) وہ فرماتے ہیں۔

اذا ترک الرجل صلاة متعمدا حتی یذهب وقتها فعلیه قضاءها لا نعلم فی ذلک اختلافا الا ما یروی عن الحسن.

جب کوئی شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے یہاں تک کے نماز کا وقت ختم ہو جائے تو اس پر اس کی قضاء لازم ہے، ہمارے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں سوائے اس کے جو حسنؒ سے مروی ہے۔(تعظیم قدر الصلوۃ ج ۲،ص ۹۹۶)

اور آگے جا کر حضرت حسنؒ کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ مروزیؒ اس پر علماء کا اجماع نقل فرماتے ہیں کہ جو نمازیں عمداً چھوڑی ہوں۔ان کی قضاء بھی لازم ہے، فرماتے ہیں:

وهذا القول غیر مستنکر فی النظر لو لا أن العلماء قد اجمعت علیٰ خلافه۔اگر حضرت حسنؒ کے قول کے خلاف علماء کا اجماع نہ ہوتا تو یہ قول بھی زیادہ بعید نہیں ہے، (تعظیم قدر الصلوۃ ج ۲،ص ۱۰۰۱)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی المجموع شرح المہذب میں اس پر علماء کا اجماع نقل فرماتے ہیں: أجمع العلماء الذین یعتد بهم علی أن من ترک الصلاة عمداً لزمه قضائها، وخالفهم ابو محمد علی بن حزم .....وهذا الذی قاله مع أنه مخالف للاجماع باطل من جهة الدلیل.

وہ علماء جو قابل اعتداد ہیں ان کا اس پر اجماع ہے۔کہ جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس پر اس کی قضاء لازم ہے، ان علماء کی مخالفت کی ہے۔ابومحمد علی بن حزم نے۔۔۔۔اور ابن حزم نے جو بات کہی ہے۔وہ جہاں اجماع کے مخالف ہے وہاں دلیل کے اعتبار سے بھی بالکل باطل ہے۔(المجموع ج ۳ص ۱۷)

اور یہ بات اہل علم کے نزدیک واضح ہے۔کہ جس مسئلہ میں علماء ومجتہدین امت کا اتفاق رہا ہو، اس میں اگر کسی کا کوئی قول مخالف ہو بھی تو وہ قول شاذ کی حیثیت رکھتا ہے۔اور جمہور امت کو چھوڑ کر ایسے شاذ قول کی پیروی اہل حق کا طریقہ نہیں۔

ابن حزمؒ اور داؤد ظاہریؒ کا قول:

جمہور علماء امت کے مجمع علیہ مؤقف کے برخلاف ایک قول ابن حزمؒ اور داؤد ظاہریؒ کا ہے۔ جس میں انہوں نے عمداً چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضاء کو واجب نہیں کہا،

قاری خلیل الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب میں جمہور علماء امت کے متفق علیہ اور مجمع علیہ موقف کو چھوڑ کر داؤد ظاہریؒ اور ابن حزمؒ کے اس شاذ قول کو اختیار کیا ہے، قاری صاحب کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ وہ ابن حزمؒ جن کے قول شاذ کا وہ دفاع کرر ہے ہیں ان کے اقوال شاذہ بے شمار اور لامحدود ہیں، جمہور علماء امت نے آج تک ان کے ان اقوال شاذہ کو قبول نہیں کیا، قاری صاحب کس کس قول کا دفاع کریں گے اور اسے حضرات صحابہ وتابعین کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کریں گے؟

ابن حزمؒ کے اقوال شاذہ:

بہتر ہوگا کہ قارئین کے سامنے ابن حزم رحمۃ اللہ کے اقوال شاذہ کی کچھ تفصیل آجائے تا کہ انہیں بھی اندازہ ہو کہ جمہور علماء امت نے ابن حزمؒ کے اقوال شاذہ کو بلا وجہ رد نہیں کیا، ان اقوال کو تو ایک عام فہم و دانش رکھنے والے آدمی کی عقل قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی کجا یہ کہ ہم اسے شریعت غراء اور دین فطرت کا حصہ قرار دیں!

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ المحلیٰ میں فرماتے ہیں:۔

(۱) رُکے ہوئے پانی میں اگر کوئی پیشاب کردے تو اس سے طہارت حاصل کرنا تو ممنوع ہے۔ لیکن اس پانی کو پینا جائز ہے۔

(۲) رُکے ہوئے پانی میں اگر کوئی پیشاب کردے تو اس کے لئے تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں لیکن دوسروں کے لئے اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔

(۳) اگر کسی شخص نے کسی برتن میں پیشاب کر کے وہ پیشاب رُکے ہوئے پانی میں بہادیا تو اس سے پانی نجس ہوگا۔ اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے۔

(۴) رُکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔ لیکن پاخانہ کرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، جس پانی میں پاخانہ کیا گیا ہو اس سے وضو کرنا اور غسل کرنا جائز ہے۔

ان چاروں مسائل کے لئے المحلی کی درج ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:۔

قال ابن حزم :لا ان البائل فی الماء الراکد الذی لا یجری حرام علیه الوضوء بذلک الماء والاغتسال به لفرض أو لغیره و حکمه التیمم ان لم یجد غیره ، وذلک الماء طاهر حلال شربه و لغیره ان لم یغیر البول شیئا من أو صافه، و حلال الوضوء به والغسل به لغیره ،

فلو أحدث فی الماء او بال خارجاً منه ثم جری الیول فیه فهو طاهر یجوز الو ضوء منه والغسل ، له ولغیره الا ان ان یغیر ذلک البول . (المحلی : ۱ /۱۸۰ . ۱۸۲)

ویقول فی المحلی :فان قالو ا: من قال بقو لکم هذا فی الفرق بین البائل والمتغو ط فی الماء الرا کد قبلکم. قلنا قا له رسول الله ﷺ الذی لا یا تیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه ، اذبین لنا حکم البا ئل وسکت عن المتغو ط وا لمتنخم والمتمخط . (المحلی: ۱ /۲۰۸)

(۵) اور رضاعت کے سلسلہ میں ابن حزمؒ کی رائے یہ ہے۔ کہ اگر کوئی بوڑھا آدمی بھی کسی عورت کا دودھ پی لے تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ اور بوڑھا اس جوان عورت کا رضاعی بیٹا بن جاتا ہے۔ (المحلی ج ۱۰/۷۔۹)

یہ صرف چند مثالیں پیش کی گئی ہیں، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ابن حزمؒ کے اقوال شاذہ کس پائے کے ہیں۔ اور جمہور کے مؤقف کو چھوڑ کر ان اقوال کی تقلید کرنا اور انکا دفاع کرنا ہی کیا عقل ودانش کا تقاضا ہے؟۔

جمہور کے مؤقف کے دلائل:

اب ایک نظر جمہور کے پیش کردہ دلائل پر ڈالنا مناسب ہے۔ تا کہ اندازہ ہو کہ جمہور علماء امت کے پاس اس مسئلہ میں دلائل نہ ہونے کا جو ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے۔

(۱) صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من نسی صلاة فلیصلها اذا ذکرها، لا کفارة لها الا ذلک.

جو شخص کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو اس پر لازم ہے۔ کہ جب بھی اسے یاد آئے نماز پڑھے اس کے سواء اس کا کوئی کفارہ نہیں، (بخاری شریف حدیث نمبر ۸۹۷)

اسی طرح صحیح مسلم میں آپؐ کا ارشاد مروی ہے:۔ اذا رقد احد کم عن الصلاة أو غفل عنها فلیصلها اذا ذکرها، جب تم میں سے کوئی شخص نماز سے سو جائے غفلت کی وجہ سے چھوڑ دے تو جب بھی اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۶۹)

ان روایات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ اگر بھول کر یا نیند اور غفلت کی وجہ سے کوئی نماز چھوٹ جائے تو یاد آنے پر اس کی قضاء کر لی جائے۔ حالانکہ بھول، نیند اور غفلت ایسی حالتیں ہیں۔ جن میں شریعت نے انسان کو معذور قرار دیا ہے۔ تو جب ان حالتوں میں قضاء کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی جائے۔ تو اس کی قضاء کی ضرورت نہیں! یہ تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی کہے قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے والدین کو اُف کہنے اور جھڑکنے سے منع فرمایا ہے۔ مارنے کی ممانعت نہیں فرمائی، لہٰذا والدین کو مارنا جائز ہونا چاہئے۔ کوئی ادنیٰ درجہ کا فہم رکھنے والا بھی یہ آیت سن کر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب اف کہنے اور جھڑکنے تک سے منع کیا گیا ہے۔ تو مارنے کی ممانعت تو بطریق اولیٰ ہوگی۔ اسی طرح بھول، نیند اور

غفلت کی وہ حالتیں جن میں شریعت اور قانون انسان کو معذور قرار دیتے ہیں۔ان میں قضاء کا حکم ہے۔تو جو نمازیں عمداً جان بوجھ کر چھوڑی ہیں۔ان کی قضاء تو بطریق اولیٰ لازم ہوگی،ان احادیث سے جو استدلال کیا گیا ہے۔اسے اصولیین کی اصطلاح میں دلالۃ النص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور یہ بھی استدلال کا نہایت مستند و معتبر طریقہ ہے۔

(۲) غزوۂ خندق کے موقعہ پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نمازیں چھوٹیں تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قضاء فرمائی،حالانکہ وہ نمازیں نہ تو نسیاناً چھوٹی تھیں اور نہ ہی غفلت اور نیند کی وجہ سے، بلکہ عمداً چھوٹی تھیں جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے کہ: **أن عمر بن الخطاب جاء يوم الخندق بعد ما غربت الشمس ، فجعل يسب كفار قريش ، قال يا رسول الله ما كدت اصلى العصر حتى كادت الشمس تغرب، قال النبى صلى الله عليه وسلم : والله ما صليتها ، فقمنا الى بطحان ، فتوضاء للصلاة وتوضأنا لها، فصلى العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلى بعدها المغرب .** (صحيح بخارى حديث نمبر ۵۹۶، باب من صلى الناس جماعة بعد ذهاب الوقت)

عمر بن خطابؓ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد حضور کے پاس حاضر ہوئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے،اور عرض کیا کہ رسول اللہ میں سورج غروب ہونے سے پہلے باوجود کوشش کے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا،حضورؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے بھی عصر نہیں پڑھی۔پس ہم وادی بطحان کی طرف گئے حضور نے اور ہم نے نماز کے لئے وضو کیا پس آپ نے عصر پڑھی سورج غروب ہونے کے بعد پھر اس کے بعد مغرب پڑھی۔

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہم اللہ نے شروح بخاری میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔کہ راجح بات یہ نمازیں مشغولیت کی وجہ سے عمداً چھوٹی تھیں،اس میں نسیان کا دخل نہیں تھا:

يقول الحافظ فى فتح البارى :وقد اختلف فى تاخير النبى صلى الله عليه وسلم الصلاة ذلك اليوم فقيل كان نسياناً واستبعد أن يقع ذلك من الجميع ....وقيل كان عمداً لكونهم شغلوه فلم يمكنوه من ذلك وهو أقرب .(فتح البارى ج ۲ ص ۲۹ وكذافى عمدة القارى ج ۵ ص ۹۱)

(۳) علامہ ابن عبدالبرؒ نے الاستذکار میں تحریر فرمایا ہے۔کہ غزوہ بنو قریظہ کے موقعہ پر جناب نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی **لا يصلين أحد العصر الا فى بنى قريظة** کہ تم میں سے کوئی عصر کی نماز پڑھے مگر بنو قریظہ کے علاقہ میں جا کر، (بخاری حدیث نمبر ۹۴۲) راستہ میں عصر کا وقت آ گیا اور بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے وقت ختم ہونے لگا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اختلاف ہوا،بعض حضرات نے عصر کا وقت ختم ہونے سے پہلے عصر کی نماز ادا کی،اور بعض حضرات نے بنو قریظہ پہنچ کر غروب شمس کے بعد عصر کی نماز ادا کر لی،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق کی تصویب فرمائی کسی پر نکیر نہیں فرمائی،یہ روایت تفصیل سے دلائل النبوۃ میں امام بیہقیؒ نے عبداللہ بن کعب سے نقل فرمائی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لمار جع من طلب الا حزاب وضع عنه اللائمة وا غتسل استجمر فتبداله ، جبريل فقال ، عذيرک من محا رب ألا أراک قد وضعت اللا مة وما وضعنا ها بعد ، قال فو ثب رسول الله صلى الله عليه وسلم فزغا ً فعزم على الناس ألا يصلو ا صلا ة العصر حتى يأتو بنى قريظة قال فلبس الناس السلاح،فلم يأتو ابنى قريظه حتى غربت الشمس فا ختصم النا س عند غروب الشمس ، فقال بعضهم أن رسول الله صلى عليه وسلم عزم علينا أن لا نصلى حتى تا تى ً بنى قرْيظه فا نما نحن فى عزيمة رسول الله صلى الله عليه وسلم فليس علينا اِثم ، وصلى طا ئفة من الناس احتسا با ً وتر كت طا ئفة منهم الصلا ة حتى غربت الشمس فصلو ها حين جا ؤ ابنى قريظه احتسا با ً ، فلم يعنف رسول الله صلى الله عليه وسلم واحد اً من الفر يقين .(دلائل النبو ة ج ٣ ، ص ٧)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكذلک أخرجه الطبر انى و البيهقى فى الد لائل با سناد صحيح الى الز هرى عن عبد الر حمن بن عبد الله بن كعب بن مالک عن عمه عبيد الله بن كعب الخ. (فتح البارى ج ٨ ص ٨. ٣. ٩. ٣)

اسی طرح مجمع الزوائد میں بھی علامہ ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے طبرانی کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔اور اس میں بھی ذکر ہے۔کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے عصر کی نماز غروب شمس کے بعد ادا کی اور حضور نے دونوں فریقوں کی تصویب فرمائی،علامہ ھیثمیؒ یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ورجا له رجال الصحيح غير ابن ابى الهز يل وهو ثقة . (مجمع الز و ائد ج ٦ ، ص ١٤٠)

بہر حال اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔کہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ نے عصر کی نماز اپنے وقت میں ادا نہیں کی بلکہ غروب آفتاب کے بعد پڑھی،اور ظاہر ہے وقت کے بعد نماز پڑھنا قضاء ہی ہے۔ادا نہیں ہوسکتا،اور یہ نماز عصر جان بوجھ کر چھوڑی گئی تھی، یہاں نیند ،بھول اور غفلت کی کوئی صورت پیش نہیں آئی تھی،اس سے ثابت ہوتا ہے۔کہ جو نماز عمداً جان بوجھ کر چھوڑ دی جائے اس کی قضاء بھی لازم ہے۔

(۴) بخاری شریف کی روایت ہے: دين الله احق أن يقضى ،(بخاری شریف باب من مات وعليه صوم)

یعنی اللہ تعالیٰ کا دین زیادہ حقدار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

جو نماز وقت میں ادا نہیں کی گئی وہ اللہ تعالیٰ کا دین بن گئی بندہ پر،لہذا اس کی ادائیگی لازم ہے۔چاہے اسے عمداً چھوڑا ہو یا نیند،غفلت اور نسیان کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو،علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''السیل الجرار'' میں یہ تسلیم کیا ہے۔کہ یہ روایت عمداً چھوڑی گئی نماز کی قضاء کے لزوم کی دلیل ہے،وہ فرماتے ہیں:

قلت :نعم لم ير دفى قضاء الصلاة المتروكة عمداً دليل يدل على وجو ب القضاء على الخصوص ولكنه وقع فى حديث الخثعمية الثا بت فى الصحيح أن النبى صلى الله عليه وسلم قا ل لها: "دين الله أحق أن

یقضی"والتا رک للصلا ۃ عـمداً قد تعلق به بسبب هذا الترک دین الله وهو احق با ئن یقضیه هذا التارک . (السبیل الجرار ۱ ص ۲۸۹)

میں کہتا ہوں کہ عمداً چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضاء کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے۔ جو خاص کر وجوب قضاء پر دلالت کرے، سوائے اس کے کہ جو خثعمیہ کی صحیح روایت میں منقول ہے کہ حضور نے ان سے کہا کہ "اللہ کا دین زیادہ حقدار ہے۔ کہ اسے ادا کیا جائے"، اور جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر اس ترک کی وجہ سے اللہ کا دین متعلق ہو گیا۔ لہٰذا یہ دین اور حق زیادہ حقدار ہے کہ نماز چھوڑنے والا اسے ادا کرے۔

(۵) علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ نے الاستذکار میں جمہور کے مؤقف پر اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا:

کیف بکم اذا اتت علیکم أمراء یصلون الصلا ۃ لغیر میقا تها قلت فما تا مر نی اذا أدر کنی ذلک یا رسو ل الله ، قا ل صلی الصلا ۃ لمیقا تها و اجعل صلا تک معهم سبحة،

تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب تم پر ایسے امراء مسلط ہوں گے۔ جو نماز کو اس وقت گذرنے کے بعد پڑھیں گے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ رسول اللہ میرے لئے کیا حکم ہے۔ اگر میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش آجائے، آپ نے فرمایا تم نماز تو اس کے وقت میں پڑھ لو اور ان کے ساتھ جو نماز پڑھنی پڑے وہ نفل پڑھ لو۔ (ابوداؤد شریف باب اذا أخر الامام الصلاۃ عن الوقت)

اس مفہوم کی بے شمار روایات ذخیرہ احادیث میں ہیں۔ جن میں پیشنگوئی کی گئی کہ ایسے امراء آئیں گے۔ جو نماز کو وقت سے مؤخر کریں گے۔ اور روایات وآثار سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ جناب نبی کریم ﷺ کی یہ پیشنگوئی بنو امیہ کے بعض امراء پر صادق آئی جو کبھی کبھار اوقات نماز کو اتنا مؤخر کرتے تھے کہ اس کا وقت ختم ہو جاتا تھا۔ خصوصاً جمعہ کی نماز تو بعض اوقات غروب آفتاب کے قریب پڑھی گئی، علامہ مبارک پوری" اسی طرح کی ایک حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

قلت ظاهر الحدیث اخراج الصلاة وتا خیر ها عن جمیع وقتها و علیه حمله النسا ئی وقد صح أن الحجاج ومیره الو لید وغیر هما کانوا یؤخرون الصلاة عن و قتها قینبغی ان یحمل هذا الحدیث علی الواقع . (مر عا ۃ المفا تیح ج ۲ ص ۳۰۸)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ظاہر تو نماز کو اس کے پورے وقت سے مؤخر کرنے پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اسی پر امام نسائی نے اسے حمل کیا ہے اور یہ بات درست ہے کہ حجاج اور اس کا امیر ولید نماز کو اس کے پورے وقت سے مؤخر کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ اس حدیث کو واقعہ پر ہی محمول کیا جائے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن نسائی میں اسی مفہوم کی روایت حضرت ابوذرؓ کے حوالے سے نقل فرمائی ہے۔ اور اس کا ترجمۃ الباب قائم

فرمایا ہے۔ اعادۃ الصلاۃ بعد ذھاب وقتھا مع الجماعۃ ،اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک بھی خروج عن الوقت سے مراد خروج عن جمیع الوقت ہے۔ (دراجع ایضاً شرح سنن ابی داؤد للعینی : ۲/ ۳۱۱ وتعظیم قدر الصلوۃ : ۲ /۹۷۹ والا سنذ کار : ۱/۳۰۵)

بہر حال ان روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نماز کو وقت سے مؤخر کرنے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ شامل ہونے کا حکم فرمایا، حالانکہ وقت گذرنے کے بعد جو نماز ادا کی جارہی ہے۔ وہ ادا نہیں قضاء ہے اور قضاء بھی ایسی نماز کی ہے جسے عمداً چھوڑا گیا اور وقت میں ادا نہیں کیا گیا، اگر عمداً چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضاء نہیں ہوتی تو حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ شامل ہونے کا حکم کیوں دیتے ؟۔ حجاج کے زمانہ میں جلیل القدر صحابہ وتابعین نے اس اقتدار میں تاخیر سے نماز پڑھی لیکن کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ آپ نے نماز عمداً چھوڑی ہے۔ اور وقت سے مؤخر کی ہے۔ اس لئے اس کی قضاء نہیں ہونی چاہئے صرف توبہ واستغفار ہی کافی ہے۔ ان سب امور سے واضح ہے۔ کہ جو نماز وقت میں نہیں پڑھی گئی چاہے عمداً چھوڑی ہو یا نیند، نسیان اور غفلت کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو، بہر حال اس کی قضاء لازم ہے۔ صرف توبہ کافی نہیں۔

اب ہم ان نکات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں جو قاری صاحب نے اپنی کتاب میں اٹھائے ہیں اور ان غلط فہمیوں میں غور کرتے ہیں۔ جن کے ازالہ کی قاری صاحب نے کوشش فرمائی ہے۔

قاری صاحب نے غلط فہمی نمبر (۱) کے تحت نکات اٹھائے ہیں۔ ہم ترتیب وار ان پر گفتگو کرتے ہیں۔ (۱) قاری صاحب کا کہنا ہے کہ:

''البلاغ میں جو حدیثیں پیش کی گئی ان میں نوم، نسیان اور غفلت کی صورت میں قضاء کا ذکر ہے، عمداً اگر نمازیں چھوڑی ہوں تو ان کا ان روایات میں ذکر نہیں اور نہ ہی عمد کو نوم، نسیان اور غفلت پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔''

یہ بات درست ہے کہ روایات میں عمداً چھوڑی جانے والی نمازوں کا ذکر نہیں اور بقول آپ کے عمد کو نوم، نسیان اور غفلت پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن ان احادیث سے عمداً چھوڑی جانے والی نمازوں کو قضاء کے وجوب پر جو استدلال کیا گیا ہے۔ وہ دلالۃ النص کے طریقہ پر کیا گیا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں والدین کو اُف کہنے اور جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔ کوئی ہوش مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن میں اُف کہنے اور جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے۔ والدین کی پٹائی کرنے سے منع نہیں کیا گیا اور قرآن مجید میں والدین کو عمداً مارنے کی کوئی ممانعت مذکور نہیں، کیونکہ اس آیت کا عقلی تقاضا یہ ہے۔ کہ جب جھڑکنے اور اُف کہنے کی ممانعت ہے۔ تو مارنے کی بطریق اولیٰ ممانعت ہوگی۔ بالکل اسی طرح ہر عقل مند شخص وہ احادیث سن کر جن میں نیند، غفلت اور بھول کی وجہ سے نماز قضاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ باسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جان بوجھ کر ترک کرنے کی صورت میں قضاء کا حکم بطریق اولیٰ ہونا اور یہی وہ بات ہے۔ جسے جمہور امت نے اختیار کیا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ بذل المجہود میں فرماتے ہیں:

قلت: استدل الموجبون للقضاء علی العامد بدلالۃ ھذا النص کما یستدل علی حرمۃ ضرب الأبوین

بحرمة التأفيف المنصوص فی قوله تعالی:ولا تقل لهما أف ....فان الا ستد لال بد لا لة النص عند الموجبين كا لا ستد لال بعبار ة النص وان كان عند الما نعين داخلا فی القياس ولكنه قياس جلی والصحيح أن الد لا لة غير داخلة فی القياس لأن القياس يختص با لمجتهد لا نه مو قوف علی النظر والد لا لة بعر فها كل من كان من أهل اللسا ن من غير احتيا ج الی تر تيب المقد مات والنظر ، ولأن الد لا لة مشروعة قبل شرع القياس (بذ ل المجهود ج ۳ ص ۲۵۰)

اور علامہ ساعاتی رحمۃ اللہ علیہ الفتح الربانی میں فرماتے ہیں

وأجيب عنه بأن القيد با لنسيان فيه لخروجه علی الغالب أو أنه اذا وجب القضاء علی المعذو ر فغيره اولیٰ بالوجوب وهو من با ب التنبيه با لأدنیٰ علی الا علیٰ كقوله تعالیٰ:ولا تقل لما اف فسبهما وضر بهما من با ب اولیٰ . (الفتح الر بانی ج ۳ ،ص ۳۰۲)

(۲) قاری صاحب فرماتے ہیں:

''درحقیقت اس مسئلہ میں بنیادی غلطی ہی یہی ہے۔ کہ قاصد اور غیر قاصد میں فرق نہیں کیا گیا''۔ ہم یہ بات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت نے قاصد اور غیر قاصد کے احکام میں فرق کیا ہے۔ لیکن اگر اس فرق میں غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہے۔ کہ یہ فرق شدت اور خفت کا ہے۔ جس شخص سے کوئی غلطی قصداً سرزد ہو اس کی سزا شریعت نے سخت رکھی ہے۔ اور جس سے بلا قصد وارادہ کوئی جرم سرزد ہو جائے اس کی سزا قاصد کی نسبت کچھ تخفیف رکھی ہے۔ مثلاً آپ ہی کی پیش کردہ مثال میں دیکھتے ہیں۔ قتل عمد کی سزا شریعت نے قصاص رکھی ہے۔ یعنی قاتل کو مقتول کے بدلہ قصاصاً قتل کیا جائے قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

کتب علیکم القصاص فی القتلی (سورۃ بقرۃ)

تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتولین کے سلسلہ میں۔

اور قتل خطاء کی سزا دیت اور کفارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن قتل مؤمنا خطاءً افتحر ير رقبة مؤمنة ودية مسلمة الی أهله (سورة نسا ء)

جس نے کسی مومن کو خطاءً قتل کر دیا اس پر لازم ہے۔ کہ ایک مومن غلام آزاد کرے اور مقتولین کے گھر والوں کو دیت ادا کرے۔

ان دونوں سزاؤں میں ظاہر ہے۔ قتل عمد کی سزا بہت سخت ہے۔ کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے اور قتل خطاء کی سزا اس کی نسبت ہلکی ہے، اس مثال سے واضح ہے۔ کہ شریعت نے قاصد کے احکام غیر قاصد کے مقابلے میں سخت رکھے ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ عمداً نماز چھوڑنے والے پر بطریق اولیٰ قضاء واجب ہو۔

(۳) قاری صاحب فرماتے ہیں: ''تعمد' نسیان کی ضد ہے۔ نظیر نہیں ہے، پھر ایک مسلّمہ اصول کے برخلاف آپ تعمد کو نسیان پر کیونکر

قیاس کر سکتے ہیں۔اور شریعت نے بھی اس فرق کی رعایت رکھی ہے۔''

ہم تو پہلے ہی عرض کر چکے ہیں۔ کہ ہم تعمد کو نسیان پر قیاس نہیں کرتے بلکہ جس روایت میں نوم، نسیان اور غفلت کی وجہ سے ترک نماز پر قضاء کا حکم ہے۔اس کے دلالۃ النص سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب ان صورتوں میں قضاء کا حکم ہے۔تو عمداً نماز چھوڑنے کی صورت میں بطریق اولیٰ قضاء واجب ہوگی، جبکہ دیگر احادیث بھی عمداً نماز چھوڑنے کی صورت میں قضاء کے وجوب پر دلالت کر رہی ہیں۔جن میں سے چند ہم نے شروع میں نقل کی ہیں۔

اور یہ بھی ذکر کر دینا مناسب ہے۔ کہ لغت کے اعتبار سے تعمد نسیان کی ضد نہیں بلکہ نسیان کے دو معنی آتے ہیں ایک کسی چیز کو عمداً ترک کر دینا، دوسرے کسی چیز کا یاد نہ ہونا، علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:

النسیان ترک الانسان ضبط ما استودع اما لضعف قلبه واما عن غفلة اوما عن قصد حتی ینحذف عن القلب ذکره. نسیان کے معنی ہیں۔ جو چیز انسان کے حوالہ کی گئی اسے یاد نہ رکھنا، یہ ترک ضبط کبھی ضعف قلب کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی غفلت کی وجہ سے اور کبھی یہ ترک ضبط جان بوجھ کر قصد واردہ سے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس چیز کی یاد دل سے محو ہو جاتی ہے۔(مفردات القرآن ص ۴۹۱)

یہی تفصیل دیگر علماء لغت نے بھی ذکر کی ہے۔(دیکھئے تاج العروس للزبیدی ج ۱۰ ص ۳۶۶ لسان العرب لابن منظور ج ۱۴، ص ۱۳۲ الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ ج ۶ ص ۲۵۰۸)

اس لحاظ سے عمداً کسی چیز کو ترک کر دینا بھی نسیان کے لغوی مفہوم میں داخل ہے۔قرآن کریم میں اسی مفہوم کے اعتبار سے نسیان کا لفظ استعمال بھی ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ھے: نسوا اللہ فنسیھم (سورۃ توبہ آیت ۶۸) اسی طرح ارشاد ہے: ولا تنسوا الفضل بینکم (بقرۃ آیت ۲۳۷) ارشاد ہے. فالیوم ننساھم کما نسوا القاء یو منھم ھذا (اعراف آیت نمبر ۵۱)

ان آیات میں نسیان کے معنی ''جان بوجھ کر چھوڑنے'' کے علاوہ اور کوئی لینا ممکن ہی نہیں، لہٰذا تعمد کو علی الاطلاق نسیان کی ضد قرار دینا کسی بھی طرح درست نہیں۔

خلاصہ یہ کہ روایت میں ''من نسی عن صلاۃ'' کے مفہوم میں صرف وہی داخل نہیں جس سے بھول کی وجہ سے نماز چھوٹ گئی بلکہ جس نے عدم اہتمام کی وجہ سے نماز کو بھلا دیا اور قصداً نماز چھوڑ دی وہ بھی اس حدیث کے مصداق میں داخل ہے۔

(۴) قاری صاحب غلط فہمی نمبر ۲ کے تحت فرماتے ہیں:

''مذکورہ احادیث میں معنوی تحریف بھی کی گئی ہے، نسائی شریف کی روایت میں ''یغفل عنھا'' جس کا ترجمہ ہے۔ جو اس سے غافل رہ جائے، یعنی اسے پتہ نہ لگے اور غفلت کی وجہ سے نماز چھوٹ جائے، لیکن مفتی صاحب نے اپنا خود ساختہ مسلک ثابت کرنے کے لئے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''جو غفلت کی وجہ سے چھوڑ دے'' چھوٹ جانے اور چھوڑ دینے میں بہت فرق ہے۔

قاری صاحب کی مذکورہ عبارت ان کی عربی لغت سے بالکل ناواقفیت پر دال ہے، لغت کی تمام معروف کتابوں میں ''عفل'' کے دو ترجمے

کئے گئے ہیں۔ایک ''ترکہ'' (کسی چیز کو چھوڑ دینا) اور دوسرے ''سہا عنہ'' (کسی چیز کو بھول جانا) ابن منظور لسان العرب میں فرماتے ہیں:

غفل عنه .....ترکه ، وسها عنه..... وأغفلة و غفلت عنه:وصلت غفلی الیه أو ترکته علی ذکر، قال اهیت:اغفلت الشئ:ترکته غفلا وأنت له ذاکر ، قال ابن سیده : وقوله تعالیٰ :" وکا نوا عنها غا فلین " یصلح ان یکون . والله اعلم . کانوا فی ترکهم الا ٔیمان با الله والنظر فیه والتدبر له بمنزلة الغا فلین.(لسان العرب ج ۱۰ ص ۹۵ . ۹۶)

''غفل عنہ'' کے معنی ہیں کسی چیز کو چھوڑ دینا، کسی چیز کو بھول جانا۔''اغفلت وغفلت عنہ'' کے معنی آتے ہیں۔کہ مجھے میری غفلت نے اس تک پہنچایا یا کسی چیز کو یاد ہونے کے باوجود چھوڑ دینا، لیثؒ فرماتے ہیں۔''اغفلت الشئ'' کے معنی ہیں۔میں نے اسے یاد ہونے کے باوجود غفلت کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ابن سیدہ فرماتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد'' وکا نوا عنها غا فلین'' کے یہ معنی ہو سکتے ہیں۔کہ وہ لوگ ایمان باللہ کو ترک کرنے اور اس میں غور وفکر چھوڑنے کی وجہ سے ایسے ہیں جیسے غافلین۔

ابن منظور کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے۔کہ غفل کے ایک معنی'' ترکہ'' کے ہیں۔اور دوسرے معنی'' سہا عنہ'' ان میں سے پہلا معنی دلالت کر رہا ہے۔کہ یہ لفظ متعدی ہے۔اور دوسرا معنی دلالت کر رہا ہے۔کہ یہ لفظ لازمی ہے۔اب قاری صاحب خود فرمائیں کہ وہ'' ترکہ'' کا ترجمہ چھوٹ جانے سے کریں گے۔یا چھوڑ دینے سے؟

اگر استاد محترم زید مجدہم نے ان دونوں ترجموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا ترجمہ غفلت کی وجہ سے چھوڑ دینے کے کئے ہیں۔تو اس میں علمی لحاظ سے کون سی غلطی ہے؟ اور کیا معنوی تحریف ہے؟ قاری صاحب کے اطمینان خاطر کے لئے مزید عربی لغات کی عبارات پیش خدمت ہیں۔تا کہ اندازہ ہو کہ معنوی تحریف کی کوشش کون کر رہا ہے:

غفل :عنه (ن) غفولا و غفلة و غفلا :ترکه و سها عنه ، قال فی المصبا ح : الغفلة غیبة الشئ عن با ل الا نسا ن وعدم تذکره له وقد یستعمل فمین ترکه (أی:الشئ)اهما لا ٔوا عر اضا ً.(أقرب المو ارد فی فصح العر بیة وا نشوارد . ۳ .۵۳)

یقول الزبیدی:

غفل عنه:ترکه وسها عنه ....غفل عنه وأغفلة :وصل غفلة الیه أو ترکه علی ذکر هذا نص کتا ب سیبو یه ....وفی الحدیث : من الصید

غفل أی یشتغل به قلبه ویستولی ، علیه حتی تصیر فیه غفله والغفلة علی ما قا له الحرا لی:فقد الشعو ر بما حقه أن یشعر به وقال أبو البقاء: هو الذ هول عن الشیء وقال الراغب : هو سهو یعتر ی من قلة التحفظ والتیقظ وقیل متا بعة النفس علی ماتشتهیه والتغا فل والغفل تعمده، (تا ج العروس للز بیدی ، ۸: ۴۷)

يقول الأصفهاني:غفل : الغفلة:سهو يعتري الانسان من قلة التحفظ والتيقظ يقال غفل فهو غافل " لقد كنت في غفلة من هذا وهم في غفلة معرضون. ودخل القرية على حين غفلة من أهلها وهم عن دعائهم غافلون . لمن الغافلين . هم غافلون . بغافل عما يعلمون .لو تغفلون عن أسلحتكم . فهم غافلون . عنها غافلين . (مفردات .القرآن للراغب ، ص ٣٦٢).

ان عبارات میں اگر بنظر انصاف غور کیا جائے تو ان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ غفلت کا اطلاق جس طرح کسی چیز سے سہواً غافل ہونے پر ہوتا ہے۔ اسی طرح غفلت کا اطلاق کسی چیز کو عدم مبالات واعراض کی وجہ سے چھوڑ دینے پر بھی ہوتا ہے۔ اور عدم مبالات واعراض کی وجہ سے کسی چیز کا چھوڑ نا بھی عمد میں داخل ہے۔ جیسا کہ آیت قرآنی **وهم في غفلة معرضون** میں لفظ غفلت استعمال ہوا ہے۔ گویا کہ کسی چیز کو عمداً چھوڑنے کی دوصورتیں ہوگئیں ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک شخص کو ایک حکم معلوم ہے۔ اور جس وقت اس کی ادائیگی کرنی ہے اس وقت بھی ذہن میں استحضار ہے۔ لیکن تساہلاً وہ اسے پورا نہیں کرتا، اور دوسری صورت عمداً چھوڑنے کی یہ ہے۔ کہ اسے حکم تو معلوم ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں ہے۔ غفلت میں پڑا ہوا ہے، ظاہر ہے۔ اس طرح ترک کو بھی عمداً ترک کہا جائے گا۔ مذکورہ روایات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ''یغفل عنها'' کا لفظ ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں غفلت کے دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں۔ اگر ''سهاعنه'' کے معنی مراد لیں تو مطلب واضح ہے۔ کہ جس سے بھول کی وجہ سے نماز چھوٹ جائے وہ اسے پڑھ لے جب اسے یاد آئے، اور اگر اس کا ترجمہ ''**تركه ، اهمالا وإعراضا**'' سے کریں تو اب مطلب یہ ہوا کہ جو نماز لاپرواہی اور اعراض کی وجہ سے چھوڑ دے تو جب اسے تنبہ ہوا سے پڑھ لے، گویا کہ عمداً نماز چھوڑنے کی ایک صورت میں قضاء کا حکم تو اس حدیث کی عبارت النص میں بھی موجود ہے۔ حالانکہ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے۔ کہ عمداً چھوڑی جانے والی نمازوں کی مطلقاً قضاء نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ذکر کا اطلاق ''**ذكر عن نسيان**'' ہی پر نہیں ہوتا بلکہ " **ذكر لا عن نسيان بل عن ادامة الحفظ**" پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ اصفہانی اور فیروز آبادی نے اس کی صراحت کی ہے. (**راجع : المفردات في غريب القرآن: ١٨٩ : وبصائر ذوي التمييز للفيروز آبادي:٣ : ٩ ، عمدة الحفاظ : ٢ :٤٣**)

اسی طرح ذکر کا اطلاق ندامت پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن جوزیؒ نے نزہۃ الأعین النواظر :۳۰۴ پر اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(۵) قاری صاحب غلطی نمبر۲ کے تحت غزوہ خندق کے واقعہ سے استدلال کو متعدد وجوہ سے غلط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''غزوہ خندق میں نمازوں میں جو تاخیر ہوئی تھی وہ نسیاناً ہوئی تھی نہ کہ قصداً''

عجیب بات ہے بخاری شریف کی روایت میں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں۔ کہ " **يا رسول الله ما كدت أصلي العصر حتى كادت الشمس تغرب** ''ترجمہ: یارسول اللہ میں قریب نہیں تھا کہ عصر کی نماز پڑھ سکوں یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا تھا۔ یعنی بڑی مشکل سے غروب سے کچھ ہی پہلے عصر کی نماز پڑھ سکا۔ اور حضور ﷺ تو وہ بھی نہیں پڑھ سکے چنا

نچہ حضرت عمرؓ کے ذکر کرنے پر حضورؐ نے فرمایا'' والله ما صليتها '' خدا کی قسم میں نے تو پڑھی ہی نہیں۔(حدیث نمبر ۵۹۶) اتنی صریح اور صاف عبارت کے باوجود قاری صاحب معلوم نہیں اسے نسیان پر کیسے محمول فرمارہے ہیں۔اور پھر یہ کیسے ممکن ہے۔کہ پورا لشکر ہی نماز یں وقت پر ادا کرنا بھول گیا اور کسی کو یاد نہ رہا، قاری صاحب نے عمدۃ القاری اور فتح الباری سے یہ احتمال تو نقل کر دیا لیکن دوسطروں بعد نہیں دیکھا کہ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہم اللہ نے اس احتمال کو کس طرح مرجوح قرار دے کر دوسرے احتمال یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازیں عمداً قضاء ہوئی تھیں کو ترجیح دی ہے۔علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں ارشاد فرماتے ہیں:

وقد اختلف فی سبب تا خیر النبی صلی الله علیه وسلم الصلا ة ذلک الیوم فقیل کان نسیاناً واستبعد أن یقع ذلک من الجمیع ویمکن أن یستد ل له بما رواه أحمد من حدیث أبی جمعة أ ن رسول الله صلی الله علیه وسلم المغرب یوم الا حزاب فلما سلم قال : هل علم رجل منکم انی صلیت العصر قا لوا : لا یا رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی العصر ثم صلی المغرب اه و فی صحة هذا الحدیث نظر لأ نه مخالف لما فی الصحیحین من قوله صلی الله علیه وسلم لعمر :والله ما صلیتها ویمکن الجمع بینهما بتکلف وقیل کان عمداً لکو نهم شغلو ه فلم یمکنوه من ذلک وهو أقرب ....(فتح الباری. ۲:۲۹ الحدیث : ۵۹۶ . باب من صلی با لناس جما عة بعد ذهاب الوقت ، رقم الباب : ۳۶)

اور علامہ عینی فرماتے ہیں:

فان قلت : تأخر النبی صلی الله علیه وسلم الصلاة فی ذلک الیوم کان نسیاناً أو عمداً فقیل کان نسیاناً ویمکن أن یستد ل له بما رواه أحمد فی مسند ه من حدیث أبی لهیعة أن ایاجمهة حبیب بن سبا ع قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم عام الا حزاب صلی المغرب فلما فر غ قال:هل علم أحد منکم أنی صلیت العصر ؟ قا لو : لا یا رسول الله صلی الله علیه وسلم ما صلیتها فا مر المو ذن فا قا م فصلی العصر ثم أعا د المغرب وقیل کان عمداً لکنهم شغلو ه ولم یمکنو ه من ذلک وهو اأقرب ....(عمد ة القاری : ۵ . ۹۱ . باب من صلی با لناس جما عة بعد ذهاب الوقت رقما الحدیث ۷۲)

(۲)غزوہ خندق کے واقعہ میں دوسرا احتمال قاری صاحب نے یہ ذکر کیا کہ:''اگر عمداً تاخیر ہوئی تھی تب بھی وہ مشغول تھے کہ نماز کی ادائیگی کا انہیں موقع نہیں ملا اور یہ بھی ایک عذر ہے۔''

ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نمازیں مشغولیت ہی کی وجہ سے چھوٹی تھیں۔لیکن مشغولیت کی وجہ سے چھوٹنے سے یہ عمد سے تو خارج نہیں ہوئیں۔آپ کا کہنا تو یہ ہے۔کہ نمازیں عمداً چھوڑ دی جائیں ان کی مطلقاً قضاء نہیں ہے۔مشغولیت کی وجہ سے نماز ترک کرنا نہ نوم میں داخل ہے اور نہ ہی نسیان وغفلت میں داخل ہے۔

(۷)غلط فہمی نمبر۵۔کے تحت محترم قاری صاحب لیلۃ التعریس والی روایت نقل کرنے کے بعد نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مذکورہ حدیث میں یہ صراحت موجود ہے۔کہ صحابہ کرام نے اس نماز کو آنے والے کل میں اسی وقت ادا کرنے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے منع فرمادیا،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ایک دن کی تاخیر کی بھی اجازت نہیں دی لیکن قربان جایئے دارالعلوم کراچی کی وسعت قلبی اور وسعت نظری پر جہاں سے ساٹھ ساٹھ ستر ستر برس تک مسلسل نمازیں قضاء کرتے رہنے کی مسلسل تلقین ہوتی رہتی ہے۔''

قاری صاحب کی حدیث فہمی پر رشک آتا ہے۔کہ انہوں نے حدیث کے الفاظ کا وہ مطلب لیا جو آج تک نہ کسی محدث نے ذکر کیا اور نہ کسی کا ذہن اس طرف گیا،اور اگر قاری صاحب یہ مطلب بیان نہ فرماتے تو تاریخ اسلام میں شاید ہی کسی کا ذہن اس طرف جاتا،قاری صاحب نے مذکورہ بالا نتیجہ حدیث لیلۃ التعریس کے آخر میں آنے والے ان الفاظ سے نکالا ہے:

" فقلنا یا نبی اللّٰہ الا نقضیھا لو قتھا من الغداۃ فقال لھم أینھا کم اللّٰہ عن الربا ویقبلہ منکم ".

" ألا نقضیھا لو قتھا من الغداۃ " اس جملہ کے معنی میں صرف ایک ہی احتمال ہے۔وہ یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے حضور کے ساتھ جب فجر پڑھ لی تو قضاء نماز کی ادائیگی سے فارغ ہونے کے بعد بعض نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا ہم یہی نماز اگلے دن اس کے وقت میں دوبارہ پڑھیں یعنی ایک مرتبہ تو ہم آج اس کی قضاء کر چکے کیا کل دوبارہ فجر کے وقت میں اس کی قضاء کریں،اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ربوا سے منع فرماتے ہیں۔تو پھر کیا وہ تم سے ربوا وصول کریں گے؟۔یعنی جب ایک مرتبہ تم اس نماز کی قضاء کر چکے ہو تو یہ کافی ہے۔کل دوبارہ اس کی قضاء کرنا تو ایک طرح سے سود ہو گیا کہ جو اصل تھا۔وہ ادا کر ہی دیا اب تاخیر کی وجہ سے اس پر اضافہ کیا جارہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود سود سے منع فرمایا ہے،بعض روایات میں'' **ومن الغد للوقت** '' کے الفاظ آئے ہیں۔اس میں دو احتمال ہو سکتے تھے۔ایک تو یہ کل کے وقت میں یہی نماز دوبارہ پڑھو اور دوسرا یہ کہ آج تو تاخیر ہو گئی ہے۔لیکن کل اسے وقت ہی میں پڑھو ایک دن تاخیر سے پڑھنے کی وجہ سے اس کا وقت تبدیل نہیں ہوا پہلے احتمال کو تمام علماء نے رد کیا ہے۔اور کوئی اس کا قائل نہیں،سب نے دوسرا احتمال اختیار کیا ہے۔اور محدثین نے پہلے احتمال کو رد کرنے اور دوسرے احتمال کو اختیار کرنے کے لئے بنیاد اسی روایت کو بنایا ہے۔جو قاری صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔اور جن الفاظ سے قاری صاحب نے انوکھا استدلال کیا ہے۔انہی الفاظ سے'' **ومن الغد للوقت** '' کی مراد متعین کی ہے۔علامہ قرطبی صحیح مسلم شریف کی شرح میں فرماتے ہیں:

قولہ :" فاذا کان الغد فلیصلھا عند وقتھا "قال قوم ظاھرہ اعادۃ المقضیۃ مرتین عند ذکرھا وعند حضور مثلھا من الوقت الاتی، وقد وافق ھذا الظاھر ما رواہ أبو داؤد نصاً من حدیث عمران بن حصین وذکر القصۃ وقال فی اخرھا: فمن أدرک منکم صلاۃ الغداۃ من غد صالحا فلیقض معھا مثلھا، قال الخطابی لا أعلم أحداً قال ھذا وجوباً ویشبہ أن یکون الأمر بہ استحبابا لیحرز فضیلۃ الوقت فی القضاء ، قلت وھذا کلہ، یعارضہ ،ماذکرہ أبو بکر بن أبی شیبۃ من حدیث الحسن عن عمران بن حصین فی ھذہ القصۃ أنہ لما صلی بھم

المقضية قالوا: ألا نقضيها لو قتها من الغد ؟ قال : أينها كم الله عن الربا و يأ خذه، منكم " والصحيح ترك العمل بذلك الظاهر لهذه المعارضة . (المفهم للقرطبی : ۲/۲ ا ۳ رقم الحديث ۵٦۷)

ويقول الساعاتی فی الفتح الربانی فی شرح هذا اللفظ :المعنى لا تعيدوها فا ن الله عزوجل نها كم عن الربا فی الدين فلا يقبله منكم فی قضاء الصلاة (الفتح الربانی ج ۲ ص ۳.۳ رقم الحديث ۲.۷)

اس مفہوم کی دیگر روایات کی تشریح کے لئے دیکھئے: فتح الباری ج ۲ ص ۱۷ رقم الحديث ۵۹۷ ، اكمال المعلم للقاضی عیاض ج ۲ ص ۶۷۳ . المنهل الغدب اله للمورود للسبکی ج ۴ ص ۳۴)

ان عبارات سے یہ تو واضح ہوگیا کہ جن الفاظ سے قاری صاحب نے استدلال کیا ہے۔ان کا صحیح مفہوم کیا ہے۔قاری صاحب نے ان الفاظ کے جو معنی لئے ہیں۔اس کی طرف کسی محدث وشارح کا ذہن نہیں گیا،اور اگر عقلی طور پر دیکھا جائے تو بھی قاری صاحب کے بیان کردہ معنی اس حدیث میں لینا ممکن ہی نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضورﷺ کی اقتدار میں فجر کی نماز قضاء کرنے کے بعد فرمایا تھا۔روایت میں الفاظ ہیں۔" فا قام فصلی الغداة " جب فجر کی نماز پڑھ لی تو پھر اگلے دن تک مؤخر کرنے کی اجازت طلب کرنے کے کیا معنی ؟ قاری صاحب کا بیان کردہ مطلب تو اس وقت درست ہوتا جب صحابہ کرام حضورﷺ کی اقتداء میں فجر کی قضاء کرنے سے پہلے حضورﷺ سے اگلے دن تک قضاء مؤخر کرنے کی جازت طلب کرتے ،نیز اگر قاری صاحب کا بیان کردہ مطلب لیا جائے تو پھر " أينها كم الله عن الربا ويقبله منكم "کا مصداق کیا ہوگا؟

(۸) قاری صاحب غلط فہمی نمبر ۵ کے تحت فرماتے ہیں:

"(۲) مطلق قضاء نمازوں کے لئے اگر الگ دلیل آپ کے پاس نہیں ہے۔تو ہم بھی اس کا مطالبہ نہیں کرتے ،لیکن عمد ،نسیان اور غفلت کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ دلیل پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔کیونکہ شریعت نے نائم ، ناسی ،غافل اور متعمد کے احکام میں فرق رکھا ہے۔جسے ہم گذشتہ صفحات میں قاصد اور غیر قاصد کے احکام میں فرق کے عنوان سے تحریر کر چکے ہیں"۔

ناسی۔نائم اور غافل پر وجوب قضاء کے تو آپ بھی قائل ہیں۔اور عامد پر وجوب قضاء کے لئے ہم دلائل شروع میں تحریر کر چکے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں:۔"(۳) جہاں تک ہم سے استثناء کی دلیل کا مطالبہ ہے۔سو یہی روایت جو حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے۔ استثناء کی واضح دلیل ہے۔کیونکہ آپ قضاء عمری ادا کرنے والے شخص کو چالیس پچاس سال کے بعد قضاء کا حکم دیتے ہیں۔جبکہ شارع علیہ السلام نے اسے آنے والے کل تک کی قضائی سے بھی روک دیا۔یہی استثناء کی دلیل ہے"۔

یہ عبارت بھی قاری صاحب کے اسی "فہم حدیث" پر مبنی ہے۔جس کا ابھی ہم نے تفصیل سے جائزہ لیا اور یہ بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے،استثناء کی دلیل کا مطالبہ اب بھی باقی ہے۔